ڈاکٹر اصغر علی بلوچ
استاد شعبہ اردو
گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

# جدیدیت کی اخلاقی اساس

Modernis is the product of science. In 20th century Modernism affects the all walks of life espacialy the literature. All values belonging to agrarian society were changed and new ethical values emerged. Writers depicted this situation in their writings. In urdu literature modernism influences the Meera jee, Qayyum Nazar, N M Rashid and many other poets.in this article ethical base of modernism is discussed in urdu poems along with this individual Freedom, internal experiences and the ethical behavior of modren age are highlighted in modern poets belonging to Halqa arbab e zoq.

جدیدیت ایک ذہنی اور تخلیقی رویے کا نام ہے اور تجدد پرستی کا تصور زمانی رِشتوں کا پابند ہوتا ہے۔اس اعتبار سے ہر وہ رویہ جو زندگی کی پُرانی قدروں سے گریز اور نئی قدروں کی جستجو کرتا ہے، جدید ہے۔

حلقۂ اربابِ ذوق بھی اِس لحاظ سے جدیدیت کا علمبردار ہے کیونکہ اس سے وابستہ ادبا نئی قدروں کے ترجمان تھے اور کسی قسم کی پابندی کے حق میں نہ تھے۔ اِس کے برعکس ترقی پسند، روایت مخالف ہوتے ہوئے بھی ایک مخصوص سماجی ضابطۂ اخلاق کے پابند تھے۔اس تناظر میں دیکھا جائے تو ترقی پسند تحریک کو کبھی جدیدیت کی ضد سمجھا جاتا ہے اور کبھی صالح جدیدیت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

حلقے کے قیام سے پہلے ۱۹۳۰ء کے عشرے میں تصدق حسین خالد اور ن م راشد نے آزاد نظم کی صورت میں جدید شعری رویوں کو اپنا کر ایک لحاظ سے حلقۂ رباب ِذوق کو اسلوبیاتی اور فکری بنیاد فراہم کی اس لیے قطع نظر اس کے کہ آزاد نظم کا بانی کون ہے، تصدق حسین خالد کی آزاد نظم کو فراموش نہیں کیا جا سکتا ہے۔لیکن عام تاثر یہ ہے کہ ترقی پسند تحریک اور حلقۂ اربابِ ذوق دو متخالف ادبی تحریکیں ہیں اگرچہ ابتدا میں دونوں تحریکوں میں زیادہ بُعد نظر نہیں آتا بلکہ تیسری کل ہند کانفرنس جو مئی ۱۹۴۲ء میں دہلی میں منعقد کی گئی اس

میں خاص طور پر حلقہ اربابِ ذوق لاہور سے وابستہ شعرا و ادبا راشدؔ، میراجیؔ، مولانا صلاح الدین احمد مدیر ''ادبی دُنیا'' اور قیوم نظر وغیرہ بھی شریک ہوئے اور فاشزم کے خلاف اور جمہوری حقوق کی حمایت میں ترقی پسندوں کے شانہ بشانہ کھڑے ہوئے۔(۱)

یہ اَمر اپنی جگہ اہمیت رکھتا ہے کہ دونوں ادبی تحریکوں میں فکری اور نظریاتی اختلاف کو بہت اہمیت دی گئی ہے اور بقول یونس جاوید(۲) حلقہ اربابِ ذوق کو ترقی پسندی کا ردِّعمل قرار دے کر ایک ''رجعت پسند فعل'' قرار دینے کا رجحان پیدا ہوا ہے۔ حقیقت کچھ بھی ہو ترقی پسندی اپنے داخلی انتشار کا خود شکار ہوئی اور پروفیسر احمد علی اور ایم ڈی تاثیر جیسے اہم ارکان سیاسی اور ادبی بنیادوں پر اس سے علیحدہ ہوئے۔ اسی طرح محمد حسن عسکری اور ممتاز شیریں نے انفرادی سطح پر اس کے خلاف اپنے ردِّعمل کا اظہار کیا۔

حلقہ اربابِ ذوق کی تحریک نے اپنے آغاز کے دو تین برسوں میں کہیں بھی ترقی پسند نظریات و عقائد سے اختلاف کا اظہار نہیں کیا۔ یہ اور بات ہے کہ بعد ازاں علی سردار جعفری نے اِسے ''رجعت پرست'' قرار دے کر اس کی اس طرح مذمت کی:

> ''اسی زمانے میں ایک اور گروہ نے سر اُٹھایا۔ یہ ہیئت پرست، ابہام پرست اور جنس پرست ادیب تھے۔۔۔ اُن کی بنیاد یہ تھی کہ ادب کا سماج سے کوئی تعلق نہیں۔ ان کی رومانیت مجہول اور گندی تھی۔''(۳)

ردِّعمل کے طور پر اہلِ حلقہ نے بھی ترقی پسندوں کو نشانہ بنایا اور اپنے نظریے کو ''جدید'' کا نام دیا۔ اس طرح ''ترقی پسند ادب'' اور ''جدید ادب'' دو الگ اور امتیازی خانوں میں تقسیم ہو گیا۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ دونوں کا یہ تصادم ترقی پسندوں اور رجعت پسندوں کا تصادم ہے۔ میراجیؔ نے اس تقسیم اور تصادم کی یوں وضاحت کی ہے:

> ''بظاہر اُردو شعرا کے دو بڑے گروہ اِس مُلک میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ایک گروہ اپنے کو ترقی پسند سمجھتا ہے اور اس کی اس تقسیم سے باقی تمام شاعر دوسرے گروہ میں آ جاتے ہیں لیکن اِس کا یہ مطلب نہیں کہ دوسرے شاعر ترقی پسند نہیں ہیں بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ پہلے گروہ میں تالاب کو گندہ کرنے والی مچھلیاں دوسرے گروہ کی بہ نسبت زیادہ ہیں۔ اس گروہ میں ایسے شعرا کی کثرت ہے جن کے جذبات و خیالات کلیتاً اپنے نہیں ہیں۔ جن کے پاس کوئی ایسا خیال نہیں تھا جسے شعر کے ذریعے پیش کرتے اور اس لیے انھوں نے چند تبلیغی باتوں کو جو نثر میں بہتر طریق پر ادا کی جا سکتی ہیں ایک سطحی اور کم و بیش غیر مؤثر انداز میں ظاہر کرنا شروع کیا ہے۔''(۴)

اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں تحریکوں میں بنیادی اختلاف ہیئت، اسلوب اور زاویۂ نظر کا ہے بصورتِ دیگر دونوں کی اپروچ بہت حد تک ملتی جلتی ہے۔ بس فرق ہے تو اِتنا کہ ترقی پسندوں نے اجتماعی سماجی شعور سے فکری تحریک پائی اور حلقہ اربابِ ذوق کے ادبا نے انفرادی جذبے، آزادی اور تجربے کو ایک اخلاقی قدر کے طور پر قبول کر لیا۔ مارکسی مفکر ادب سے ہر قسم کی سماجی اور سیاسی ذمہ داری کا مطالبہ کرتے ہیں اور اشتراکی حقیقت نگاری کو اخلاق کا نعم البدل قرار دے کر اخلاق کو بھی اپنے مقاصد کا مطیع تصور کرتے ہیں جب کہ جدیدیت

کے حامی جمالیاتی وجود کے قائل ہیں اور اُن کے نزدیک فن اخلاق سے زیادہ بااخلاق ہوتا ہے۔

جدید شاعری پر مارکسی حلقوں کی طرف سے عموماً یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ ہر اخلاقی تصور اور قدر سے بیگانہ ہے جو ایک منفی رویہ ہے حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ شمیم حنفی لکھتے ہیں:

> ''جدیدیت شاعری میں اخلاق کو مضبوط طریقے سے داخل کرنے کے خلاف ہے۔۔۔ مروجہ اخلاقی قدروں سے بے اطمینانی کا بنیادی سبب اس حقیقت کا اظہار ہے کہ یہ قدریں انسانی وجود کا فطری عنصر نہیں بن سکی ہیں اور ایک منافق معاشرے میں جو ہر قدم پر انسان اور انسانیت کی نفی کا مرتکب ہوتا ہے، ایک جھوٹا مقنع بن گئی ہیں۔'' (۵)

اگر غور کیا جائے تو اہلِ حلقہ کے جدید نظم گو شعرا کے ہاں ترقی پسندوں کی طرح فارمولا ٹائپ مقصد اور فلسفۂ اخلاق نہیں ملتا لیکن چونکہ وہ بھی روایتی سماج کے مخالف اور نئی اقدار کے متمنی تھے اس لیے اُن کے ہاں ''انفرادی آزادی'' نئی قدر کی حیثیت حاصل کر لیتی ہے، جس میں فرائڈ کی نفسیاتی توضیح و تعبیر کا خاصا ہاتھ ہے۔ انھوں نے فنکار کی ''انفرادیت'' کو بنیادی مسئلہ بنا کر پیش کیا اور وجودی فلسفیوں کی طرح داخلی اور اندرونی مسائل کو اہمیت دی ہے۔ شاہین مفتی لکھتی ہیں:

> ''وجودیت ایک طرح کا داخلی تفکر ہے جس میں حقیقت کا ادراک فرد کے اندرونی تجربے پر منحصر ہے فرد کا وجدان علم کے ذریعے ہوتا ہے جو بہر حال یقینی اور ناقابلِ تردید نہیں۔'' (۶)

''جدیدیت'' بھی داخلی تفکر کی قائل ہے، جو فرد کی آزادی، انفرادی تجربے اور تشکیک کی صورت پذیری کا نام ہے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو جدید نظم گو شعرا کے فلسفۂ اخلاق کی اساس کسی خارجی نظریے، دباؤ اور عقیدے پر نہیں بلکہ شاعر کے داخلی احساس پر استوار ہے۔ ترقی پسندوں پر نظریاتی اعتراضات کرتے ہوئے الطاف گوہر لکھتے ہیں:

> ''ہمیں بنیادی طور پر اس نظریے سے اختلاف ہے کہ شاعر کو ارادی طور پر سماج کی بہتری کی خاطر نظمیں کہنا چاہئیں۔ شاعر جب کبھی کسی خاص طبقے کے نظریے کے مطابق موضوعات چُن کر لکھتا ہے تو وہ شاعر کا انفرادی احساس یا جذباتی تجربہ نہیں ہوتا، حکمراں طبقہ کی پیروی ہوتی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ شاعر ''سرمایہ دار اور مزدور''، ''امیر اور غریب'' ان مسائل پر کچھ نہ کہے ضرور کہے، بشرطیکہ یہ مسائل اس کی رُوح کے لیے ایک شدید احساس اور تجربہ بن کر آئے ہوں۔۔۔ ایسی شاعری کو ترقی پسندی کے لیبل کی ضرورت ہی نہیں رہتی، اس لیے کہ اچھی شاعری کبھی تنزل پسند نہیں ہوتی۔'' (۷)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اہلِ حلقہ پر صرف ''ادب برائے ادب'' تخلیق کرنے کا الزام یک طرفہ ہے۔ وہ ہیئت اور اسلوب کو یقیناً اہمیت دیتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی معاصر زندگی کے مسائل کو بھی پیشِ نظر رکھتے ہیں۔ ان میں اور عام ترقی پسندوں میں راست

ابلاغ اور بالواسطہ ابلاغ کا بنیادی فرق ہے جو دراصل دونوں تحریکوں کا اسلوبیاتی امتیاز ہے۔

بقول عقیل احمد صدیقی:

''حلقہ والے ترقی پسند ادبی رجحان سے فکری اختلاف رکھنے کے باوجود ادب میں عصری زندگی کی پیش کش کے قائل تھے لیکن اُن کا خیال یہ بھی تھا کہ عصری مسائل اس طرح پیش نہ کیے جائیں کہ ادب صحافت بن جائے۔''(۸)

گویا اہلِ حلقہ ترقی پسند شاعری پر اس لیے معترض تھے کہ وہ اپنے اظہار وابلاغ کو صحافت اور پروپیگنڈے کی سطح پر لے آتی تھی۔ جب کہ دوسری جانب وہ خود تجربات، کیفیات اور واردات کی جمالیاتی بازآفرینی کے قائل تھے۔ اس سلسلے میں میراجیؔ کا نقطۂ نظر ملاحظہ ہو:

''ادب کا مقصد خواہ حسن کاری قرار دیا جائے خواہ اصلاح یا پروپیگنڈا جب تک کلام کی فنکارانہ ادائیگی نہ اختیار کی جائے اس کا اثر فوری اور دیرپا نہ ہوگا۔۔۔ میرے خیال میں وہ اشتراکی نظم اچھی کہی جانی چاہیے جو ہمیں کسی خاص فرد یعنی سرمایہ دار کے خلاف نہ بھڑکائے بلکہ اس نظام کے خلاف برانگیختہ کرے جس میں ظلم اور ظالموں کی پرورش ہوئی ہو۔''(۹)

حلقہ والوں کے نزدیک فنکارانہ ادائیگی ہی نئی ہیئتی اشکال، اظہاری پیمانے اور ساختیاتی ڈھانچے تشکیل دیتی ہے جو کسی فکر اور جذبے کو پُرتاثیر، ہمہ گیر اور محسوساتی سطح پر قابلِ قبول بناتی ہے۔ حلقے والے ہنگامی موضوعات کی پیش کش کے خلاف نہ تھے لیکن اُس کو ذاتی احساس اور داخلی تجربہ بننے تک پیرایۂ اظہار میں لانے کے خلاف تھے۔ اسی طرح وہ ادب کو مقصود بالذات سمجھتے تھے۔ اُن کے نزدیک ادب معاصر زندگی سے اثرپذیر ہوتا ہے لیکن مخصوص نصب العین اور اقدار کی مبلغانہ تشہیر اس کے شایانِ شان نہیں ہے کیونکہ جمالیاتی اقدار، اخلاقی اقدار کی پاسداری کے مترادف ہوتی ہیں۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں:

''حلقے کے نظریات میں دوامِ ابد تو فن کو حاصل ہے لیکن یہ اپنی دوامی حیثیت زندگی سے ہی حاصل کر سکتا ہے۔''(۱۰)

حلقہ اربابِ ذوق نے زندگی کے تنوع اور اس کے داخلی حسن کو حیاتی سطح سے ہمکنار کیا اور خردافروزی اور خیال افروزی کو اُجاگر کر کے انسان کی داخلی اور نفسیاتی دُنیا کو دریافت کرنے کی کوشش کی۔ اس پہلو کو میراجیؔ نے یوں بیان کیا ہے:

''۔۔۔ اگر ترقی پسندی کے صحیح مفہوم کو مشعل بناتے ہوئے ہم ''خیال افروزی'' کو مدِنظر رکھیں گے، خواہ وہ زندگی کے کسی بھی شعبے سے تعلق رکھتی ہو تو ذہنی اور جسمانی دوڑ میں ہماری پسماندگی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔ چنانچہ نثر اور نظم دونوں اصنافِ سخن کے متعلق حلقہ اربابِ ذوق کا نقطۂ نظر یہی رہا ہے۔''(۱۱)

میراجی صحت مند ''ترقی پسندی'' کے قائل ہیں جو ''مختصر خیال افروزی'' کے نام سے سامنے آتی ہے اور ۱۹۴۱ء کی بہترین نظموں کے انتخاب میں کسی جانب داری یا تعصب کے بغیر خیال یا موضوع اور فنی افادیت کے پیشِ نظر ترقی پسند شعرا کی نظمیں بھی شامل کی گئیں۔ میراجی نظموں کے انتخاب کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

''۔۔۔خیال یا موضوع کے اعتبار سے اس کی افادیت کا لحاظ بھی رکھا گیا۔ خواہ وہ افادیت انسانی زندگی کے کسی بھی پہلو یا شعبے سے تعلق رکھتی ہو یعنی نظری ہو یا عملی۔'' (۱۲)

اس افادی اور نظریاتی نقطہ نظر کے پیشِ نظر حلقہ اربابِ ذوق نے نظم کے انتخاب میں ہر طرح کے تعصب اور جانبداری کو بالائے طاق رکھتے ہوئے احمد ندیم قاسمی، فیض احمد فیض اور سیّد مطلبی فرید آبادی جیسے ترقی پسند شعرا کی نظموں کو بھی شامل کیا اور اس اُمر کو یقینی بنایا کہ کوئی ایسی نظریاتی نظم جو اپنے اندر فنی محاسن بھی رکھتی ہو، اُسے انتخاب میں شامل کیا جائے۔

احمد ندیم قاسمی کی ''ازلی مسرتوں کی ازلی منزل''، فیض کی معروف نظم ''انتباہ'' جس کا آغاز کچھ یوں ہے:

؎ بول کہ لب آزاد ہیں تیرے
بول زباں اب تک تیری ہے

اور سیّد مطلبی فرید آبادی کی نظم ''تیرے ہی بچے، تیرے ہی بالے دھرتی ماں چھاتی سے لگالے'' وغیرہ اس انتخابی مجموعے میں شامل ہے۔ اِس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ حلقہ اربابِ ذوق کا فنی وفکری نقطہ نظر کیا ہے؟ ن۔م۔ راشد نے اس کو یوں واضح کیا ہے:

''اپنی انفرادیت برقرار رکھتے ہوئے حلقہ کے افراد نے ہمیشہ ہی زندگی اور اُس کے مسائل سے گہری دلچسپی کا اظہار کیا ہے اور اُن مسائل کو اپنے انفرادی شعور کی روشنی میں ادبی تخلیقات میں پیش کیا ہے۔'' (۱۳)

انفرادی تجربے کا مسائلِ زندگی اور اندازِ نظر کے فطری بہاؤ سے ہمکنار ہونا اس اُمر کی دلیل ہے کہ اہلِ حلقہ انفرادی احساس کے ساتھ زندگی اور علائقِ زندگی کو بیان کرنے کے حق میں تھے۔ لہٰذا اُن کے نزدیک شخصی اور غیر شخصی دونوں موضوعات کی اہمیت اس بات پر تھی کہ اس میں ''خیال افروزی'' پائی جائے۔ اس لیے اُنھوں نے موضوعاتی اور ہیئتی تجربات سے نظم میں نئی رُوح پھونکی اور اس میں مختلف انداز سے انفرادیت پسندی، داخلیت اور آزادہ روی جیسے عناصر کو شامل کیا۔ حلقہ اربابِ ذوق کے شاعروں کے موضوعاتی پھیلاؤ پر بات کرتے ہوئے عقیل احمد صدیقی کہتے ہیں:

''ان شاعروں کا عام رُجحان فرد کے داخلی محسوسات وتاثرات پیش کرنا ہے جو خارجی یا داخلی زندگی سے تصادم وپیکار کا نتیجہ ہیں۔ حلقہ کے شعرا فن کا ایک ایسا تصور رکھتے تھے جس نے اپنی شخصیت کی آزادانہ طور پر تعمیر کی ہے۔'' (۱۴)

داخل وخارج کا یہ تصادم فرد اور معاشرہ، ذات اور کائنات میں کشمکش کے نتیجے میں زندگی کو پیش کرنے کا رویہ ہے جس میں

بنیادی اہمیت ذاتی اور حسی تصورات کو حاصل ہے لیکن مجرد موضوعات بھی عصری تجربے سے مملو ہو کر شاملِ ادب رہے ہیں۔اس ضمن میں یونس جاوید کی رائے ملاحظہ ہو:

''اِن لکھنے والوں کے نزدیک، جو حلقۂ اربابِ ذوق سے وابستہ تھے معاشرہ اور فرد دونوں یکساں اہمیت کے حامل تھے،صرف یہی نہیں بلکہ حلقہ ارباب ذوق کے نزدیک ہر لکھنے والے کو یہ حق پہنچتا تھا کہ وہ ذات کے حوالے سے کائنات کا احاطہ جس طرح جس رُخ سے چاہے کرے اور ایسی اقدار کو اس انداز سے سامنے لائے جس سے عالم گیر انسانیت سے ہمدردی اور رُوح کی بالیدگی کی صورت پیدا ہو۔''(۱۵)

یہ درست ہے کہ حلقہ اربابِ ذوق کسی نظریاتی پابندی کا قائل نہ تھا اور نہ ہی کسی طے شدہ منصوبہ بندی کے تحت وجود میں آیا تھا لیکن اس کے لکھنے والوں نے ترسیل اور اظہار کی جس اہمیت کو تسلیم کیا تھا اس نے اِسے ترقی پسند تحریک کے حریف اور مدِمقابل کے طور پر مشہور کر دیا۔جوں جوں حلقہ کی یہ تحریک کامیاب ہوتی گئی۔ترقی پسندوں کے اعتراضات اور الزامات کی رفتار میں اضافہ ہوتا گیا۔

علی سردار جعفری نے ان پر ہیئت پرستی،ابہام پرستی اور جنس پرستی کا الزام لگایا اور یورپ کے انحطاطی ادب سے متاثر ہو کر شعور کے بجائے تحت الشعور اور لاشعور اور معنویت اور مواد کے بجائے ہیئت اور اسلوب کو ترجیح دینے پر شدید نکتہ چینی کی۔(۱۶)

علی سردار جعفری کے اعتراض میں بظاہر جزوی صداقت موجود ہے۔اگر بغور دیکھا جائے تو میراؔجی اور راشد کے ہاں جنسی احساسات کی شاعری فرائڈ (Friued) کی تحلیلِ نفسی کے تصور سے متاثر ہوئی اور انھوں نے لاشعور کو نا آسودہ جذبات کا منبع قرار دے کر جنسی نا آسودگی کو موضوع بنایا۔لیکن اِس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ حلقہ نے خود کو جنس پرستی تک محدود رکھا ہے یا اُن کے ہاں خیر و شر کے تصورات اور سیاسی و سماجی صورت میں فرد کی ذہنی اور جذباتی کشمکش کا اظہار نہیں ملتا۔حقیقت یہ ہے کہ وہ جنس کے گرد تہذیب و تمدن کی لپٹی گرد کے خلاف تھے اور سلیم احؔمد کے مطابق ''کسری آدمی'' کے بجائے ''پورے آدمی'' کے متلاشی تھے جو شخصیت کی تکمیل کے لیے جبلی تقاضوں کو کچلنے کے بجائے اُن کا کتھارسس (Katharsis) کرنے کی کوشش کرتا ہے۔یوں وہ روایتی تہذیب و تمدن کے خلاف تھے اور نئی اخلاقیات مرتب کرنے کے حق میں تھے۔

جہاں تک زندگی کے سماجی مسائل کا تعلق ہے وہ پہلے ہی بتایا جا چکا ہے کہ حلقہ اربابِ ذوق نے معاصر زندگی اور سماج سے بالواسطہ تعلق قائم کر کے جذبہ،خیال اور احساس کی ترجمانی کے لیے فنی لوازم کو بنیادی اہمیت دی ہے۔

بقول میراؔجی:

''میں اپنے مُلک کے موجودہ سماج کا ایک جیتا جاگتا فرد بھی ہوں،میری خواہشات اس سماجی ماحول کے تابع ہیں۔میرا دِل پرانی فضا میں سانس لیتا ہے مگر آنکھیں اپنے آس پاس آمنے سامنے دیکھتی ہیں اور اس مشاہدے کا نقش بھی میری نظموں میں ہر جگہ موجود ہے۔''(۱۷)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حلقے والوں کے خلاف جس رجعت پرستی اور جنس پرستی کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے وہ کلیتہً درست نہیں ہے۔اس کے برعکس ترقی پسند تحریک اور حلقہ اربابِ ذوق کے ادبی رویوں کے اختلاف کو سمجھنا زیادہ ضروری ہے۔اوّل الذکر کے پاس ایک باقاعدہ منشور تھا جب کہ ثانی الذکر کسی منشور کے تحت نہیں تھا۔اِس لیے اس سے وابستہ شعرا کے ہاں انفرادی اور داخلی تجربے کی نوعیت کسی خاص منصوبہ بندی یا نظریاتی پابندی سے محفوظ رہی۔تاہم دونوں تحریکوں میں بنیادی اختلاف ادبی طریقۂ کار اور فن پارے کی تخلیقی جانچ پرکھ کا تھا۔بصورتِ دیگر بقول ڈاکٹر رشید امجد:

> ''حلقہ کے لوگ بھی عصری شعور رکھتے تھے لیکن وہ ادب میں بے رنگی کے قائل نہ تھے۔وہ انسان کو اس کی کلیت کے حوالے سے دیکھنا اور سمجھنا چاہتے تھے،اسی طرح ادب کے مطالعے کے سلسلے میں بھی وہ کسی مخصوص نقطۂ نظر تک محدود نہ تھے چنانچہ حلقہ میں ایسے مغربی دانشوروں اور شاعروں کا بھی ذِکر ہوتا رہتا تھا جو ترقی پسندوں کے نزدیک رجعتی تھے۔''(۱۸)

حلقہ اربابِ ذوق اور ترقی پسند تحریک کے زمانے میں ہندوستان ایک طویل عرصے تک نوآبادیاتی اثرات کے باعث زوال پذیری کا شکار رہا۔سیاسی،سماجی اور معاشی زوال اس زمانے کے نمایاں رُجحان کے طور پر اُبھرا اور دونوں تحریکوں نے اس سے براہِ راست یا بالواسطہ طور پر اثر قبول کیا۔دونوں تحریکوں کے نظریہ وعمل پر بحث کرتے ہوئے روش ندیم اور صلاح الدین درویش کہتے ہیں:

> ''ایک وسیع نظریاتی فریم ورک میں حلقہ اربابِ ذوق اور ترقی پسند تحریک کے ہاں ایک سطح پر یکسانیت بہت واضح ہے۔وہ یہ کہ ترقی پسند تحریک کے مصنّفین زوال پذیر ہندوستان سے فکری سطح پر براہِ راست متاثر ہوئے جب کہ حلقۂ اربابِ ذوق کے مصنّفین اس سے نظریاتی سطح پر بالواسطہ اس طور متاثر ہوئے کہ نتیجتاً ایک طرح کی ماورائیت اختیار کر گئے۔''(۱۹)

مختصر طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ حلقۂ اربابِ ذوق نے اپنے فلسفۂ خلاق کی بنیاد داخلی تجربے اور ''انفرادی آزادی'' پر رکھی اور انسان کو اس کی کلیت کے حوالے سے دیکھتے ہوئے اس کی نفسیاتی،سیاسی،سماجی اور ذہنی تعبیر وتوجیہ کی۔ظاہر ہے کہ کسی واضح نظریاتی نصب العین نہ ہونے کی وجہ سے حلقہ سے وابستہ جدید نظم گو شعرا کے ہاں کسی خاص نوع کا فلسفۂ خلاق سامنے نہیں آتا۔تاہم وہ ایک خاص رُوحانی، نفسی اور آفاقی اندازِ فکر سے ایسی اخلاقیات کی پیش کش پر زور دیتے ہیں جو غایتی کے ساتھ ساتھ ''لذتیتی'' اور ''وجودی بھی ہے۔فنکار کی داخلیت کا کسی نامعلوم عدم سے کوئی تعلق نہیں ہوتا بلکہ وہ موجود ہی کا تاثر،عکس یا تجزیہ ہوتا ہے۔خارجیت کے بغیر داخلیت خارج از اِمکان ہے۔حقیقت کا کھوج خارج کے معروضی مطالعے ہی کا دوسرا نام ہے۔

## حوالہ جات


۱۔ خلیل الرحمٰن اعظمی۔ اُردو میں ترقی پسند تحریک، علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۲۰۰۷ء، ص ۶۴

۲۔ یونس جاوید۔ حلقۂ ارباب ذوق، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۸۴ء، ص ۳

۳۔ علی سردار جعفری۔ ترقی پسند ادب، علی گڑھ: انجمن ترقی اُردو ہند، اشاعت دوم، ۱۹۵۹ء، ص ۱۹۳

۴۔ میراجی۔ اس نظم میں، کراچی: سٹی پریس بک شاپ، اشاعت دوم، ۲۰۰۲ء، ص ۶۲

۵۔ شمیم حنفی۔ جدیدیت کی فلسفیانہ اساس، نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان، ۲۰۰۵ء، ص ۲۶۴

۶۔ ڈاکٹر شاہین مفتی۔ جدید اُردو نظم میں وجودیت، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۱ء، ص ۷۹

۷۔ الطاف گوہر۔ پنجاب کے نوجوان اسکول کا نظریہ شعر مشمولہ ادبی دُنیا، اپریل ۱۹۴۹ء، ص ۵۷

۸۔ عقیل احمد صدیقی۔ جدید نظم نظریہ و عمل، علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۹۰ء، ص ۱۵۹

۹۔ میراجی۔ اس نظم میں، ص ۲۰۸

۱۰۔ ڈاکٹر انور سدید۔ اُردو ادب کی تحریکیں، کراچی: انجمن ترقیِ اُردو پاکستان، اشاعتِ دوم، ۹۷۔۱۹۹۶ء، ص ۵۴۷

۱۱۔ میراجی۔ ابتدائیہ ۱۹۴۱ء کی بہترین نظمیں، مرتبہ حلقہ ارباب ذوق، ص ۱۸

۱۲۔ ایضاً ص ۱۶

۱۳۔ ن۔م۔راشد۔ رسالہ محفل (انگریزی)، شکاگو یونیورسٹی بحوالہ جدید اُردو نظم نظریہ و عمل، ص ۱۸۷

۱۴۔ عقیل احمد صدیقی۔ جدید اُردو نظم نظریہ و عمل، ص ۱۸۷

۱۵۔ یونس جاوید۔ حلقۂ ارباب ذوق، ص ۳۶

۱۶۔ علی سردار جعفری۔ ترقی پسند ادب، ص ۱۹۳

۱۷۔ میراجی۔ میراجی کی نظمیں، ص ۱۵

۱۸۔ ڈاکٹر رشید امجد۔ میراجی شخصیت اور فن، راولپنڈی: نقش گر پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء، ص ۱۱۔۱۰

۱۹۔ روشن ندیم، صلاح الدین درویش۔ جدید ادبی تحریکوں کا زوال، راولپنڈی: گندھارا بکس، ۲۰۰۲ء، ص ۵۳